ڈاکٹر طیب منیر

حسرتؔ آزاد اور قفسِ آباد فیضؔ

This article is a discussion of two letters - one written by Chiragh Hasan Hasrat to Faiz and Faiz's reply. The latter was published whereas the former is an unpublished letter. These letters show the nature of the relationship that existed between the two great writers and are significant contribution to literature.

❖••❖••❖••❖••❖

فیض احمد فیضؔ (۱۹۱۱ء ۔۱۹۸۴ء) ایام اسیری میں یاد غزال چشماں، ذکر سمن عذاراں سے ہی کنج قفس کو پر بہار نہیں بناتے رہے بلکہ خوش وقتی کی خاطر اور کئی مشاغل و مصروفیات میں اپنے آپ کو گم رکھتے تھے۔ کئی دیاروں، زبانوں اور زمانوں کا ادب ان کے پیش نظر رہتا۔ عربی، فارسی، اردو، پنجابی، انگریزی، کتب کا مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ دوران اسارت فیضؔ صاحب نے فرانسیسی اور ہسپانوی زبانیں سیکھنے کا بھی ڈول ڈالا اور کسی حد تک ان میں مہارت بھی حاصل کر لی۔ ان کا ارادہ تھا کہ ان زبانوں کے ادب کا بلاواسطہ مطالعہ کیا جائے۔ اردو شعرا کا انتخاب بھی شروع کیا تھا جو مکمل نہ ہو سکا۔

مختلف النوع موضوعات کی حامل کتب بڑے شوق سے پڑھتے ناول، افسانے، ڈرامے، شاعری، خطوط کے مجموعے، تاریخ، عروض، لغت، تنقید اور مزاح کے ساتھ ساتھ ادبی رسائل مسلسل زیر مطالعہ رہتے۔ فرمایش کر کے دوست احباب اور اہل خانہ سے کتابیں

Scanned by CamScanner

منگواتے رہتے۔ مطالعہ کا شوق اس قدر تھا کہ پڑھی ہوئی کتابیں دوبارہ پڑھتے۔ ''صلیبیں مرے دریچے میں'' کے ہر مکتوب میں کسی نہ کسی کتاب کا ذکر ہے۔ کتاب خوانی کے علاوہ دوستوں سے خط و کتابت بھی ہو رہی ہے اور احباب کے خط پڑھ کر خوشی اور بہجت کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے۔ اسی ماحول اور منظر میں مولانا چراغ حسن حسرت کا ایک طویل خط حیدرآباد جیل میں آتا ہے۔ خط پڑھ کر فیض صاحب لکھتے ہیں: ایک زمانے کے بعد کشاکش دیدہ و دل کا سامان ہاتھ آیا۔ اس لیے جواب کی کاوش کی بجائے حظ اندوزی میں محو رہا۔'' پھر حسرت کے خط کا جواب لکھا۔ یہ دونوں خط ہمارے پیش نظر ہیں۔ فیض صاحب کے مکاتیب زنداں تو شائع ہو چکے ہیں جن میں حسرت کے نام کا خط بھی موجود ہے۔ البتہ حسرت صاحب کا مطبوعہ مکتوب بنام فیض پرانے رسائل تلے دب کر نذر نسیاں ہو چکا تھا۔

چراغ حسن حسرت (۱۹۰۴ء۔۱۹۵۵ء) فیض صاحب سے عمر میں پانچ چھ سال بڑے تھے۔ فیض صاحب (۳۳۔۱۹۳۴ء) اورینٹل کالج سے جب ایم۔اے کر رہے تھے۔ اس زمانے میں ان کا حسرت سے میل جول رہا۔ صوفی تبسم کی بیٹھک پر بھی ملاقاتیں رہیں۔ (فیض صاحب پطرس بخاری اور صوفی تبسم کے شاگردان رشید میں سے تھے اور حسرت صاحب پطرس اور صوفی صاحب کے دوستوں میں سے تھے)۔ فیض صاحب تعلیم سے فارغ ہو کر جب ۱۹۳۵ء میں ایم۔اے او کالج امرتسر میں پروفیسر ہوئے تو اس دور میں بھی حسرت سے راہ آموزی کا رشتہ رہا۔ ''شیرازہ'' لاہور ۱۹۳۷ء کے دو شماروں میں فیض کا ایک مضمون ''ہندوستانی شاعری کی پرانی روایتیں اور نئے تجربات'' بھی شائع ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں جب ''امروز'' اخبار شائع ہوا تو حسرت اور فیض اس کے مدار المہام تھے۔ یہ پرانے تعلقات اس زمانے تک قائم رہے جب ۱۹۵۲ء میں فیض صاحب راولپنڈی سازش کیس کے سلسلے میں حیدرآباد جیل میں اسیر تھے۔

فیض صاحب حسرت کی علمیت اور شاعرانہ مرتبے کا بڑا احترام کرتے تھے۔

Scanned by CamScanner

(جیسا کہ فیض صاحب کے خط کے ایک جملے سے ظاہر ہے) بلکہ ایک اور خط میں لکھا بھی ہے کہ "میں نے عبدالمجید سالک، صوفی تبسم اور چراغ حسن حسرت کی شاعری سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

چراغ حسن حسرت کے مکتوب سے جہاں ان کے فارسی شعر و ادب سے شغف اور تاریخ ادب سے لگاؤ، معروف اور گم نام شعراء کے مستحضر اشعار اور قدیم شعراء کے اصول کا پتہ چلتا ہے وہاں علامہ اقبال کے آخری ایام کے بارے میں کچھ نئی معلومات بھی ملتی ہیں۔

فیض صاحب کے خط سے ان کے ارادوں، خواہشوں اور مصروفیتوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ خط کا آخری جملہ انتہائی مزے کا ہے۔ اگر ہم اس قسم کے جملوں کی "آب و ہوا" سے واقف ہوں تو زیادہ لطف اٹھا سکتے ہیں۔

حسرت کے خط میں فارسی کے اٹھارہ شعر وادر ہوئے ہیں۔ موجودہ فارسی گریز اور اردو ستیز ناساز گار ماحول میں مناسب خیال کیا گیا ہے کہ سب اشعار کا مفہوم حواشی میں درج کر دیا جائے۔

مکتوب چراغ حسن حسرت

بنام

فیض احمد فیض (۱)

کراچی

۲/اگست ۱۹۵۲ء

مکرمی!

میں نے آپ کو خط لکھا تو امید نہیں تھی کہ اس قدر جلد جواب مل جائے گا، کیوں

Scanned by CamScanner

کہ مجھ سے بعض لوگوں نے کہہ رکھا تھا کہ قریب ترین عزیزوں کے سوا اور کسی سے خط و کتابت کی اجازت نہیں اور کرمانی (۲) نے تو مجھ سے بکرات و مرآت کہا کہ اس نے کئی خط لکھے، کوئی جواب نہ ملا۔ اب معلوم ہوا کہ معاملہ کی نوعیت مختلف ہے۔ میں نے ملاقات کے لیے درخواست دے دی ہے۔ معلوم نہیں یہ درخواست کتنے مرحلے طے کرے۔ بہرحال آپ کو کسی کتاب کی ضرورت ہو تو لکھ دیجئے، ساتھ لیتا آؤں گا۔ میری دو بے حیثیت کتابیں (۳) پچھلے دنوں چھپی ہیں، ان میں آپ کو لطف تو کیا آئے گا؟ پھر بھی ساتھ لے آؤں گا۔

اس گوشہ نشینی کے زمانے میں فارسی کے بعض شعرا کے کلام کے مطالعہ کا موقع ملا۔ سعدی کے کلیات کا ایک نسخہ ایران کا چھپا ہوا ہاتھ آیا ہے۔ لیکن اس میں مطائبات نہیں۔ غالباً اسے فحش سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا۔ نول کشور کا چھپا ہوا کلیات نہیں ملتا جس میں سعدی کا پورا کلام موجود ہے اور بھی کچھ کتابیں ملی ہیں۔ لیکن غلط سلط چھپی ہوئی عرفی کے دیوان میں بہت سے شعر الحاقی ہیں۔ ظہیر فاریابی کا کلام بے مزہ ہے۔ نظیری کا کوئی اچھا نسخہ نہ مل سکا۔ مبارک علی نے دیوان نظیری چھاپا تو ہے۔ لیکن وہ سربسر مجموعہ اغلاط ہے۔

ان دنوں بعض ایسے شعرا کا کلام بھی نظر سے گزرا جنہوں نے زیادہ شہرت نہیں پائی۔ ان میں میر رضی دانش بھی ہے۔ جس کا دیوان نایاب ہے۔ اہل تذکرہ نے دو دو چار چار شعر نقل کر دیے ہیں۔ غلام علی آزاد بلگرامی کا انتخاب مجھے پسند نہیں۔ انہوں نے اساتذہ کے وہی شعر نقل کیے ہیں جو ان کے زمانے کے عام مذاق شعر سے مطابقت رکھتے تھے۔ یعنی زیادہ تر مثالیہ اشعار ہیں جو غنیؔ، صائبؔ، قدسیؔ اور علی قلی سلیمؔ کے کلام کا اہم ترین حصہ سمجھے جاتے رہے ہیں۔ البتہ مرزا مظہر جان جاناں نے خریطۃ الجواہر کے نام سے جو بیاض مرتب کی ہے۔ اس سے مرزا کے حسن ذوق کا ثبوت ملتا ہے۔ رضی دانش کے چند

Scanned by CamScanner

شعر لکھتا ہوں۔ یہ وہی شاعر ہے جسے داراشکوہ نے ایک شعر پر ایک لاکھ روپے انعام دیا تھا۔ یہ شعر آپ کو یاد ہوگا:

تاک را سرسبز دار اے ابر نیسان بہار
قطرۂ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

علامہ اقبال مرض الموت کے زمانے میں رضی دانش کا یہ شعر اکثر پڑھتے تھے:

تہنیت گوئید مستاں را کہ سنگِ محتسب
بر سرِ من آمد و ایں آفت از مینا گزشت

لیکن علامہ نے دوسرے مصرعے میں تصرف کرکے ''سر'' کو ''دل'' بنالیا تھا۔ غالباً اپنے مرض کی رعایت مقصود تھی۔ کیوں کہ انہیں قلب کا عارضہ تھا۔ ایک دو شعر اور سنیے:

نمک شناس اسیراں کہ از قفس رستند
بہ نخلِ خانہ صیاد آشیاں بستند

.....

باغ را از زخمۂ دیوار می بینم بہار
باغباں چوں در کشاید موسم گل بگزرد

.....

سینۂ ما جانگدازاں کربلائے حسرت است
آرزوئے کشتۂ ہر سو شہید افتادہ است

.....

سوخت پیش از صبح تا خالی نہ بیند جائے شمع
موت را پروانہ برخود سخت آساں کردہ است

.....

Scanned by CamScanner

رضی دانش مشہد کا رہنے والا تھا۔ شاہ جہاں کے عہد میں ہندوستاں آیا۔ کچھ عرصہ دلّی اور لاہور میں رہنے کے بعد دکن چلا گیا۔ زندگی کے آخری زمانے میں وطن کا قصد کیا اور مشہد ہی میں وفات پائی۔ نسبتی تھانیسری خالص ہندوستانی شاعر اور رضی دانش سے بہت زیادہ غیر معروف ہے۔ اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

زبس کہ حسن فزود و غمش گداخت مرا
نہ من شناختم او را نہ او شناخت مرا

.....

سخت می ترسم کہ من بسیار می خواہم ترا
آرزو خوب است لیکن ایں قدر باخوب نیست

.....

زلف است و چشم و ابرو و رخسار نسبتی
ایں چند فتنہ اند کہ دریک زمانہ اند

.....

مجدِ مرگم ایں قدر دانم کہ خواہی گفت حیف
تا کنم و او وفا عمرش وفا داری نہ کرد

شیخ جمالی کنبوہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں جنہیں اب کوئی نہیں جانتا۔ یہ شعر انہی کا ہے:

مارا کہ خاکِ کویت پیراہن است بر تن
آں ہم نہ آب دیدہ صد چاک تا بہ دامن

داراشکوہ اور اورنگ زیب دونوں شعر کہتے تھے۔ اورنگ زیب کے تو صرف دو تین شعر مشہور ہیں۔ مثلاً یہ شعر اسی کا ہے:

غمِ عالم فراواں است و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیاباں را

Scanned by CamScanner

لیکن داراشکوہ کا پورا دیوان موجود ہے۔ایک غزل کا مطلع ہے:

ہر خم و پیچ کہ شد از تابِ زلفِ یار شد
دام شد، زنجیر شد، تسبیح شد، زُنار شد

جہانگیر نے بہت کچھ کہا ہوگا لیکن تذکروں میں چند شعر ملتے ہیں۔ یہ مطلع تو قیامت کا ہے:

ساغرِ مے بر رخِ گلزار می باید کشید
ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید

بابر بڑا صاحب ذوق شخص تھا ترکی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا اور شعر سمجھتا بھی خوب تھا۔ اس کے مصاحبوں میں آتش قندھاری ایک شاعر تھا اس کا یہ مطلع بابر نے خود نقل کیا ہے۔ بچپن میں کہیں پڑھا تھا اب تک یاد ہے:

سرشکم رفتہ رفتہ بے تو دریا شد تماشا کن
بیا در کشتی، چشمم نشیں و سیر دریا کن

سلیمہ سلطان مخفی اکبر کی بیگم اور نہایت خوش ذوق خاتون تھی۔ اس کے کلام کا بڑا حصہ زیب النساء کے نام منسوب ہوگیا ہے۔ اس کی غزل کا ایک مطلع ہے:

کاکلت را گر زمستی رشتۂ جاں گفتہ ام
مست بودم زیں سبب حرفِ پریشاں گفتہ ام

اس سلسلے میں یاد آ گیا کہ گُنّا بیگم دختر قزلباش خاں امید بہت اچھے شعر کہتی تھی۔ شجاع الدولہ کی ایک لڑکی مینا بیگم سے بھی بہت سے شعر منسوب ہیں۔ مثلاً یہ مشہور شعر اسی کا ہے:

ڈبڈبائی آنکھ، آنسو تھم رہے
کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

کچھ اور شعر سنیے:

Scanned by CamScanner

کھلا زمیں پہ جسم مرا اور مٹا دیا
ان کا تو کھیل، خاک میں ہم کو ملا دیا
جس طرح لگی دل کو بے چارہ سہو کی
ایسی نہ لگانا مرے اللہ کسو کی
شمع کی طرح گھلتا جائے
جس کے دل کو لگی ہو سو جائے

دراصل میں تو چاہتا تھا کہ قارئین کے بعض غیر معروف شعرا کی پوری پوری غزلیں نقل کر دوں لیکن بہک کے کہیں سے کہیں جا پہنچا اور اب یہ خط اتنا لمبا ہو گیا ہے کہ کچھ اور کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ پھر موقع ملا تو کچھ عرض کروں گا۔

عیدالاضحیٰ آ رہی ہے۔ یہاں جن لوگوں سے آشنائی ہے۔ ان سے بعضوں ملاقات نہیں ہوتی۔ امیر مینائی بھی کبھی کبھی بڑے مزے کا شعر کہہ جاتے ہیں۔ ان کا ایک شعر کہ حسب حال ہے۔ یاد آ گیا:

رہ گیا اپنے گلے میں ڈال کر بانہیں غریب
عید کے دن جس کو غربت میں وطن یاد آ گیا

بہر حال عید کے دن لاہور کی طرف رخ کر کے نعرہ لگاؤں گا کہ:

یاں گروہے کہ از ساغر وفا مستند
زما سلام رسانید ہر کجا ہستند

اور یہ کہہ کے چپکا ہو رہوں گا کہ:

اے ہم نفسان محفل ما
رفتید ولے نہ از دل ما

نیازمند

حسرت

مکتوب فیض احمد فیض

بنام

چراغ حسن حسرت (۴)

آپ کا گرامی نامہ کافی دنوں سے آیا رکھا ہے۔ ایک زمانے کے بعد کشاکش دیدہ و دل کا کچھ سامان ہاتھ آیا۔اس لیے جواب کی کاوش کی بجائے حظ اندوزی میں محو رہا۔ خاص طور سے رضی دانش کے یہ دو شعر بہت پسند آئے:

زبس کہ حسن فزود و غمش گداخت مرا
نہ من شناختم او را نہ او شناخت مرا

اور

ع آرزوہا خوب لیکن ایں قدر ہا خوب نیست

پہلے شعر کا جزو داغ نے بھی باندھا ہے لیکن اس شعر کے مقابلے یں بہت پھیکا ہے۔ غالباً آپ کو بھی یاد ہوگا۔

وہ روز روز ترقی پہ حسن ہے ان کا
کہ صورت ان کی مجھے بھول بھول جاتی ہے

مُنّا بیگم کے متعلق ایک عرصے سے تجسس تھا اس کے بارے میں کہیں ذخیرہ ہو تو لکھئے گا۔ اس کا ایک شعر مجھے بھی یاد ہے:

کہاں تک لکھے جاؤں خط ان کو ہمدم
وہ جب بھولتے ہیں یوں ہی بھولتے ہیں

آپ نے جو غزلیات طوالت کے ڈر سے نہیں لکھیں وہ اب لکھ بھیجئے اور اپنی نئی کتابیں بھی بھیج دیجئے (ایک سطر سنسر نے کاٹ دی)

ایک زمانے سے آرزو تھی کہ اردو شعرا کا کوئی ڈھنگ کا انتخاب مرتب ہو جائے

Scanned by CamScanner

آج کل اسی کام میں مصروف ہوں۔ تھوڑا سا کیا ہے بہت سا باقی ہے۔ حال ہی میں میر اور سودا کو دوبارہ استعجاب سے پڑھا۔ جس سے شبہ ہونے لگا ہے کہ سودا، میر سے بڑا شاعر تھا۔ یہ صحیح ہے کہ میر کے اچھے اشعار کی نظیر سودا کے ہاں نہیں ملتی لیکن سودا کے کلام کی عام سطح میر سے بلند ہے اور فنی دسترس میں میر ان سے یقیناً پیچھے ہے۔

میں نے لغویات کا ایک نیا مجموعہ ''دست صبا'' (۵) کے نام سے چھپنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ افسوس کہ آپ لاہور میں نہیں میں ورنہ میں چاہتا تھا کہ آپ ایک نظر دیکھ لیتے۔ چار پانچ سال انگریزی اخبار میں سرمارنے سے جو تھوڑی بہت اردو آتی تھی۔ وہ بھی بھول گئی ہے۔ اس لیے ان منظومات میں ضرور بہت سی قباحتیں رہ گئی ہیں۔ آپ دیکھ لیتے تو کچھ صاف ہو جاتا۔

عید کے دن آپ نے لاہور کی طرف رخ کر کے نعرہ لگانے کو کہا ہے۔ یہاں تو عید شب برات کی قید نہیں۔ مستقل یہی کیفیت رہتی ہے۔ اس کے اظہار میں ایک شعر میں نے بھی کہا تھا:

یہ ضد ہے یاد حریفاں بادہ پیما کی
کہ شب کو چاند نہ نکلے، نہ دن کو ابر آئے (۶)

اس وقت بے ساختہ مولانا عبدالباری آسی کی شرح غالب یاد آ گئی جس میں غالب کے ہر شعر کی تشریح کے بعد لکھتے ہیں ''میں نے بھی کہا ہے''۔ امید ہے آپ کا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

فیض

Scanned by CamScanner

حواشی

۱۔ یہ خط ۲۳ جون ۱۹۵۷ء کو ہفت روزہ ''لیل و نہار'' لاہور میں شائع ہوا۔

۲۔ ۱۹۴۸ء میں جب روزنامہ ''امروز'' کا لاہور سے آغاز ہوا تو ایوب کرمانی امروز کے ادارتی عملے میں شامل تھے۔

۳۔ چراغ حسن حسرت کی دو کتابیں زرنیخ کے خطوط اور پہاڑ کی بیٹی کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ فیض احمد فیض کا یہ خط ان کی کتاب ''متاع لوح و قلم'' میں شامل ہے۔

۵۔ ''دست صبا'' ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔

۶۔ یہ شعر ''دست صبا'' کی ایک غزل کا ہے۔

❖•❖•❖•❖•❖•❖

چراغ حسن حسرت کے خط میں موجود فارسی اشعار کا مفہوم

(۱)

اے بہار کے ابر نیساں ، تاک کو سرسبز و شاداب رکھ۔ وہ قطرہ جو شراب بن سکتا ہے، اسے کیا پڑی ہے کہ وہ گوہر بنے۔

(نیساں رومی سال کا ساتواں مہینہ، مطابق ماہ اپریل، اس مہینہ کی بارش کو بھی نیساں کہتے ہیں۔ یہودیوں کے سال مقدس کا پہلا مہینہ ہے۔)

(۲)

رندوں کو مبارک کہو کہ محتسب کا جو پتھر ہے وہ ہمارے سر پہ گرا ہے اور صراحی کے سر سے یہ آفت ٹل گئی ہے۔

(۳)

وہ قیدی جو نمک حلال تھے، جب قفس سے رہا ہوئے تو صیاد کے گھر کے پیڑ پر ہی آشانہ بنایا۔

Scanned by CamScanner

(۴)

میں دیوار کے رخنے سے باغ کی بہار دیکھتا ہوں۔ جب تک باغباں دروازہ کھولتا ہے۔ اس وقت تک بہار گزر چکی ہوتی ہے۔

(۵)

ہم جاں گدازوں کا سینہ حسرتوں کی کربلا ہے۔ ہماری آرزوئیں ہر طرف شہید ہوئی پڑی ہیں۔

(۶)

صبح سے پہلے ہی وہ جل کر راکھ ہوگیا ہے، تاکہ وہ شمع کی جگہ خالی نہ دیکھے۔ پروانے نے موت کو اپنے اوپر آسان کرلیا ہے۔

(۷)

اس کا حسن اتنا بڑھ گیا اور میرے غم میں اتنا اضافہ ہوا نہ میں نے اسے پہچانا اور نہ اس نے مجھے پہچانا۔

(۸)

میں بہت ڈرتا ہوں، کہ تجھے بہت چاہتا ہوں۔ تجھے چاہنے کی آرزو خوب ہے، لیکن اتنی خوب بھی نہیں ہے۔

(۹)

اے نسبتی زلف، چشم و ابرو اور رخسار یہ ایسے فتنے ہیں کہ ایک ہی زمانہ میں موجود ہیں۔

(۱۰)

میری موت کی شان یہ ہے کہ تو صرف اتنا کہے گا کہ افسوس اس کی عمر اتنی نہ ہوئی کہ میں اس کے ساتھ وفا کرتا۔

(۱۱)

ہمارے جسم پر تیری گلی کی خاک سے لباس بن گیا ہے اور اس کا حال بھی یہ ہے کہ وہ

Scanned by CamScanner

آنسوؤں سے دامن تک چاک چاک ہو چکا ہے۔

(۱۲)

دنیا کا غم بے کراں ہے اور میرا دل ایک غنچے کی طرح ہے۔ اب میں صحرا کی ساری ریت کو شیشۂ ساعت میں کیسے ڈال دوں۔

(۱۳)

دام ہو، زنجیر ہو، تسبیح ہو یا زنار ہو جو خم اور پیچ بھی پیدا ہوا، زلف یار کی پیچیدگی سے پیدا ہوا۔

(۱۴)

شراب کا ساغر باغ کے روبرو بیٹھ کر پینا چاہیے۔ ابر بھی بہت ہے اور شراب بھی بہت پینی چاہیے۔

(۱۵)

میرے آنسو، تیرے بغیر رفتہ رفتہ سمندر بن چکے ہیں۔ آ اور میری آنکھ کی کشتی میں بیٹھ اور اس دریا کی سیر کر۔

(۱۶)

مستی کے عالم میں اگر میں نے تیری زلف کو رشتہ جاں کہہ دیا ہے تو میں مست تھا اس لیے پریشاں خیالی کا شکار ہو گیا (میں قابل معافی ہوں)

(۱۷)

وہ گروہ جو مے ساغر وفا سے مست ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو اس کو ہمارا سلام پہنچا دیجیے۔

(۱۸)

اے ہماری مجلس کے ہم نفسو، تم ہماری محفل سے چلے گئے ہو لیکن ہمارے دل سے نہیں

Scanned by CamScanner